سانحہِ کربلا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ و الصلوۃ و السلام علی حبیب اللہ و علی الہ و اصحابہ اجمعین

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اب تلوار کیوں اٹھائی اور پہلے کیوں نہ اٹھائی تھی؟

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے تمام خلفاءِ راشدین کے دور میں، حتیٰ کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک کسی حکومت کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اطاعت گزاری کو اختیار کیے رکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں سیدنا امامِ حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام میں آیا جایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں شہزادوں کا بہت احترام فرماتے تھے۔ انکی خدمت میں بہت سے عطیات اور وظائف پیش کرتے تھے اور دونوں شہزادے انہیں بخوشی قبول فرماتے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۸)۔

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غریب آدمی نے آکر خیرات مانگی۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ ہمارا وظیفہ آنے والا ہے، جیسے ہی وظیفہ پہنچ جائے گا آپ کو دے دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک ہزار دینار کی پانچ تھیلیاں پہنچ گئیں۔ تھیلیاں پہنچانے والوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ نے معذرت کی ہے کہ یہ تھوڑی سی رقم ہے اسے قبول فرمائیں۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے ساری رقم اس غریب آدمی کے حوالے کردی اوراس سے معذرت چاہی (کشف المحجوب صفحہ ۷۷)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا یا نہیں؟ اسکے بارے میں دو قول موجود ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ آپ نے اسے ولی عہد مقرر نہیں کیا بلکہ اس نے خود بخود حکومت سنبھال لی تھی۔ یہ بات علامہ ابوالشکور سالمی رحمت اللہ علیہ (متوفی پانچویں صدی) نے اپنی مایہ ناز کتاب التمہید کے صفحہ ۱۶۹ پر بیان فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یزید کو ولی عہد مقرر کرنے کے لیے حضرت امیر معاویہ نے مختلف اکابر سے مشورہ لیا تھا۔ کچھ لوگ اس تجویز سے متفق ہو گئے جبکہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم اس بات سے متفق نہیں تھے۔ یہ سب باتیں شیعہ کی کتاب تاریخ

یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ پر اور اہل سنت کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۸ پر درج ہیں۔

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید سے کہا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اچھا رویہ اختیار رکھنا فصل رحمه وارفق به (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۹ اور شیعہ کی کتاب جلاء العیون صفحہ ۳۸۸ فصل دوازدہم)۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک باپ ہونے کی حیثیت سے یزید کے کرتوتوں سے آگاہ نہیں تھے۔ اور اگر کوئی چھوٹی موٹی خرابی آپ کے علم میں تھی بھی تو آپ نے یہ سوچ کر یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا کہ جب ذمہ داری سر پر آئے گی تو انسان بن جائے گا۔ مگر یزید نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہی عراق کے شیعہ لوگوں نے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ کے خلاف اکسایا تھا مگر آپ رضی اللہ عنہ نے شیعوں کی اس بات کو قبول نہ فرمایا اور صبر سے کام لینے کا حکم دیا ایشان را مجاب ننمود و بصبر امر کرد (شیعہ کی اپنی کتاب جلاء العیون صفحہ ۳۴۸)۔ یہی بات شیعہ کے مشہور عالم شیخ مفید نے اپنی کتاب الارشاد کے صفحہ ۱۸۲ پر عربی زبان میں لکھی ہے فاتبع علیهم و ذکر ان بینه و بین معاویة عهدا و عقدا لایجوز له نقضه حتی تقضی المدة (الارشاد ۱۸۲)۔ غور فرمایئے! آخر کیا بات ہے کہ سن ۶۰ ہجری تک سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے تمام خلفاء علیہم الرضوان کی تابعداری کو قبول کیے رکھا مگر سنہ ۶۱ ھ میں جب یزید کی باری آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی؟

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ تاحق ظاہر بود مرحق را متابع بود و چوں حق مفقود شد شمشیر بر کشید یعنی جب تک حق ظاہر تھا امام حسین رضی اللہ عنہ حق کے تابع رہے۔ مگر یزید کے دور میں حق رخصت ہو گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی (کشف المحجوب صفحہ ۷۶)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا عمل اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ چاروں خلفاء راشدین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کے ساتھ امام عالی مقام متفق تھے۔ اسی لیے ان کے تابع رہے اور ان سے وظیفہ بھی قبول فرماتے رہے۔ مگر یزید سے متفق نہ تھے اسی لیے اسکے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

کوفیوں کی طرف سے خطوط

کوفہ کے شیعوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بے شمار خط لکھے اور عرض کیا کہ آپ کوفہ میں تشریف لائیں آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ ہم نے یہاں کے حکمرانوں کی اطاعت چھوڑ

رکھی ہے اور کوفہ کے والی نعمان بن بشیر کے پیچھے جمعہ تک ادا نہیں کرتے (الاصابہ جلدا صفحہ ۳۳۲ تحت حسین بن علی، شیعہ کی کتاب جلاء العیون صفحہ ۳۵۶)۔

فبعث اهل العراق الی الحسین الرسل و الکتب یدعو نه الیهم (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۵)۔ جلاء العیون میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ وسائر شیعان او از مومنان و مسلمانان اهل کوفه یعنی یہ خط کوفہ کے تمام حسینی شیعوں کی طرف سے ہے (جلاء العیون صفحہ ۳۵۶)۔

یزید نے حکومت سنبھالتے ہی اہل مدینہ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ خصوصاً سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا صدیق اکبر کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے پر زیادہ زور دیا تاکہ ان دونوں معتبر ہستیوں کے بیعت کر لینے کے بعد باقی اہل مدینہ کے لیے بیعت کا راستہ آسان ہو جائے۔ مگر ان دونوں مقدس ہستیوں نے بیعت نہ کی بلکہ راتوں رات مدینہ طیبہ سے نکل کر مکہ شریف چلے گئے۔ فبعث الی الحسین و ابن الزبیر فی اللیل و دعاهما الی بیعة یزید فقالا نصبح و ننظر فیما یعمل الناس و وثبا فخرجا (سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد ۳ صفحہ ۱۹۸)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ

کوفہ کے شیعوں کی طرف سے اس قدر بے تحاشا خطوط آنے کے بعد امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جیسی ذمہ دار ہستی کے پاس لبیک کہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام اور اکابر امت علیہم الرضوان سے مشورہ فرمایا اور انہیں کوفیوں کے خطوط کے انبار دکھائے۔

اسکے باوجود صحابہ کرام علیہم الرضوان بلکہ بعض اہل بیت اطہار نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے منع فرمایا۔ منع کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، امام عالی مقام کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت جابر، حضرت ابوسعید اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث علیہم الرضوان جیسی ہستیاں شامل تھیں۔ ان بزرگوں کے بیانات سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۱۹۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۲ اور المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۹۷۔۹۶ وغیرہ پر موجود ہیں۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچازاد بھائی اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ فرمان ملاحظہ فرمائیے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جآءنی حسین یستشیر نی فی الخروج الی ماهھنا یعنی العراق فقلت لو لا ان یزر و ابی و بک لشبئت یدی فی شعرک۔ الی این تخرج؟ الی قوم قتلوا اباک و طعنوا

اخاک ؟ یعنی میرے پاس حسین آئے اور عراق جانے کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے کہا کہ میرا بس چلے تو میں آپ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر عراق جانے سے روک دوں۔ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ اس قوم کی طرف جس نے آپ کے والد ماجد کو شہید کیا اور بھائی کو خنجر مارا؟ (المصنف جلد ۱۵ صفحہ ۹۶۔ ۹۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۶)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ کا عراق جانا درست نہیں مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان کا مشورہ قبول نہ فرمایا۔ اس کے بعد محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کو ساتھ جانے سے روک دیا جس کی وجہ سے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے ناراض ہو گئے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۲)۔

شرعی مسائل

ظالم حکمران کے خلاف کارروائی کرنا شرعاً فرض نہیں بلکہ حق واضح کرنے کے بعد اس سے جان چھڑا کر خاموش ہو جانے کی اجازت ہے۔ اس اجازت کو شریعت کی زبان میں رخصت کہا جاتا ہے۔ اسکے برعکس اگر کوئی بلند ہمت اور بلند رتبہ شخصیت ظالم حکمران کے خلاف ڈٹ جائے تو شریعت اس بات کی بھی اجازت دیتی ہے۔ ظالموں کے خلاف ڈٹ جانے کی اس اجازت کو شریعت کی زبان میں عزیمت کہا جاتا ہے۔ عزیمت کا معنی ہے "مضبوط اور پختہ ارادہ"۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو عراق جانے سے منع فرمایا۔ وہ رخصت پر عمل کرنے کو ترجیح دے رہے تھے۔ اس کے برعکس سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے عراق جانا پسند فرمایا۔ آپ اپنے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے عزیمت کو ترجیح دے رہے تھے۔ دونوں طرف کے فیصلے میں کوئی عیب نہیں۔ یہ بھی حق ہے اور وہ بھی حق ہے۔ اجتہادی مسائل میں اختلاف ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔

شیعہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے امام پاک رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اس کے برعکس خارجی حضرات امام حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ منع کرنے کے باوجود باز کیوں نہ آئے۔

الحمدللہ ہم نے ثابت کر دیا کہ شیعہ اور خارجی دونوں بے ادب اور گستاخ ہیں اور امام حسین اور صحابہ کرام علیہم الرضوان دونوں حق پر ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ خواہ کوفہ جائیں یا مکہ شریف میں رہیں۔ جام شہادت نوش کرنا ہمارا مقدر ہے۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ نے مکہ شریف میں شہید ہو کر یزید کو مکہ کی

بے حرمتی کرنے کا موقع نہ دیا۔ بلکہ کوفہ کی طرف بڑھ کر شہادت کو گلے لگایا۔ چنانچہ علامہ ابنِ کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام پاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فقال لان اقتل بمکان کذا و کذا احب الی من ان اقتل بمکۃ و تستحل بی یعنی میرا کسی دوسری جگہ پر قتل ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ میں مکہ میں قتل کیا جاؤں اور مکہ کی بے حرمتی ہو (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۲)۔

تیسری بات یہ ہے کہ کوفہ کے شیعوں نے جس قدر خطوط لکھے تھے اگر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اب بھی ظالم حکمران کے خلاف عوامی دعوت کو قبول نہ فرماتے تو کوفی لوگ قیامت کے دن امام پاک کے خلاف بیان بازی کر سکتے تھے۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داری نبھانا ضروری سمجھا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مکمل سوجھ بوجھ اور مشورے کے بعد جب آپ نے ایک عزم اور ارادہ کر لیا تو اپنے عزم پر ڈٹ گئے۔ اللہ پر توکل کرنے والوں کا یہی طریقہ ہوا کرتا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے: وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ یعنی ان سے مشورہ کریں اور جب کوئی عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے ڈٹ جائیں (آل عمران: ۱۵۹)۔

پانچویں بات یہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مشورے کو آپ رضی اللہ عنہ نے مکمل طور پر نہیں پھینکا بلکہ پہلے احتیاطاً اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا تاکہ اگر کوفہ والے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ سے بے وفائی کریں تو ان کا شرعی طور پر منہ بند ہو جائے اور اگر وفا کریں تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مطمئن کیا جا سکے۔

حضرت مسلم بن عقیل کی روانگی

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے حالات کا جائزہ لے کر اطلاع دینے کے لیے اپنے چچا زاد بھائی اور بہنوئی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ جب وہ کوفہ پہنچے تو تقریباً بارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کر لی (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۲)۔

آپ نے حالات سے مطمئن ہو کر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ کوفہ کے حالات ہمارے لیے سازگار ہیں۔ آپ جلد تشریف لے آئیں۔

اس وقت کوفہ کے والی نعمان بن بشیر تھے۔ جب یہ اطلاع سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو پہنچ گئی تو کوفہ میں حکومت کے حامیوں نے کوفہ کے والی تک حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایت پہنچائی مگر کوفہ کے والی نعمان بن بشیر نے نرمی سے کام لیا اور حضرت مسلم کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ اس پر حکومت کے حامیوں نے یزید کو اس صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ یزید نے فوراً نعمان بن بشیر کو برطرف کر دیا اور

اس کی جگہ بصرہ کے والی عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔

حضرت مسلم بن عقیل نے حضرت ہانی بن عروہ کے گھر میں قیام کر رکھا تھا۔ تمام کوفیوں نے حکومت کے خوف سے حضرت مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا اور ابن زیاد نے حضرت مسلم اور ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا (طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۹ تحت عقیل بن ابی طالب)۔ ادھر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی کوئی خبر نہ تھی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی

حالات کو سازگار سمجھتے ہوئے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تقریباً اَسّی (۸۰) افراد کا قافلہ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ واقعہ ۳ ذوالحج سنہ ۶۰ ھ کا ہے۔ ادھر اسی روز حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تھا۔

کوفہ جاتے وقت راستے میں امام حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی افسوسناک خبر ملی۔ اسی راستے میں مختلف لوگوں سے ملاقات بھی ہوئی۔ ان میں بشیر بن غالب، عبید اللہ بن مطیع اور اہل بیت کے مداح اور مشہور شاعر فرزدق خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سب نے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو آگے جانے سے منع فرمایا۔ فرزدق نے کہا کہ کوفہ والوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں یزید کے ساتھ ہیں۔

یہ حالات سننے کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں مختلف خیالات پیدا ہو گئے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ لیکن حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے بھائی نے فرمایا کہ ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ طویل گفتگو کے بعد یہی طے پایا کہ کوفہ جانا چاہیے۔ جب قافلہ کوفہ کے قریب پہنچا تو حُر بن یزید سے ملاقات ہوئی۔ حُر کے ساتھ ایک ہزار فوجی سوار تھے۔ اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں آپ کا خیر خواہ اور وفادار ہوں مگر سرکاری ملازمت میری مجبوری ہے۔ مجھے ابن زیاد نے آپ کو گرفتار کر کے اسکے پاس لانے کا حکم دیا ہے۔ میں آپکے ادب واحترام کی وجہ سے آپ کو گرفتار نہیں کرتا۔ لیکن آپ بھی میرے حال پر مہربانی فرمائیں اور کوفہ میں داخل نہ ہوں۔ مجبوراً سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں داخل ہونے کی بجائے قریب ہی میدان کربلا میں پڑاؤ ڈالنا پڑا۔

عبید اللہ بن زیاد نے اہل بیت اطہار علیٰ جدہم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے جنگ کرنے کے لیے عمرو بن سعد کو ایک ہزار مسلح گھڑ سواروں کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ ابن زیاد نے بعد میں مزید کمک بھی بھیجی اور اس کے لشکر کی تعداد تقریباً بائیس ہزار تک پہنچ گئی۔

گنتی کے مقدس افراد کا مقابلہ کرنے کے لیے اس لا تعداد لشکر کا پہنچ جانا ان لشکریوں کی بزدلی اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کی عظمت و شجاعت کا زندہ ثبوت ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں۔ کوفی فوج کو اس قدر خوف تھا کہ اتنی کثرت کے باوجود باقاعدہ جنگی تدبیریں اور حکمت عملیاں اختیار کی گئیں۔ تین دن تک پانی بند کر دیا گیا۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کسی صورت بھی جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے اور خصوصاً تلوار چلانے میں پہل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جو حالات نظر آرہے تھے ان حالات میں مخالفین پر حجت قائم کرنے کی غرض سے آپ نے فرمایا میری تین باتوں میں سے کوئی ایک بات تسلیم کرلو۔

۱۔ مجھے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی بجائے اسلامی سرحدوں پر جا کر کفار کے خلاف جہاد کرنے دو۔

۲۔ یا مجھے مدینہ شریف جانے دو۔

۳۔ یا یزید سے میری ملاقات کرا دو۔ تا کہ میں اس سے خود بات کر کے مصالحت کی صورت نکال سکوں (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۴)۔

عمرو بن سعد نے یہ باتیں ابن زیاد تک پہنچا دیں۔ مگر ابنِ زیاد نے ان میں سے ایک بات کو بھی قبول نہ کیا اور امام حسین سے بیعت کا مطالبہ کرتا رہا۔ امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت سے انکار فرما دیا جس پر کوفیوں نے جنگ چھیڑ دی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی راتوں کو نمازیں پڑھتے، استغفار اور دعائیں کرتے اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی پیش کرتے رہتے تھے اور دشمنوں کے گھوڑے ان کے اردگرد گھومتے رہتے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۵)۔

دسویں محرم کو سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا اور زبردست خوشبو لگائی اور بعض دوسرے ساتھیوں نے بھی غسل فرمایا، غسل خانے کے طور پر ایک الگ خیمہ موجود تھا فَعَدَلَ الْحُسَیْنُ اِلیٰ خَیْمَۃٍ قَدْ نُصِبَتْ فَاغْتَسَلَ فِیْھَا الخ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۵)۔ ہم نے یہ بات باحوالہ لکھ دی ہے۔ جنگ شروع ہوئی۔ کربلا کے اردگرد کے مسلمانوں کو جب اس جنگ کی خبر ہوئی تو بہت سے لوگ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کے لیے میدان میں آگئے اور امام پاک پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ سیدنا حضرت حُر بن یزید رضی اللہ عنہ نے بھی یزیدی لشکر کو خیر باد کہہ دیا اور سیدنا امام حسین سے پہلے جامِ شہادت نوش فرمایا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۸)۔

جنگ کے دوران جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دشمنوں

سے کہو جنگ روک دیں تا کہ ہم نماز ادا کرسکیں دخل علیھم وقت الظھر فقال الحسین رضی اللہ عنہ مروھم فلیکفوا عن القتال حتی نصلی (البدایہ والنھایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۰)۔آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سمیت نمازِ خوف ادا فرمائی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی اور مولا علی رضی اللہ عنہ کے شہزادے حضرت ابوبکر بن علی، حضرت عمر بن علی، حضرت عثمان بن علی اور حضرت عباس بن علی علیھم الرضوان بھی باری باری شھادت سے سرفراز ہوئے۔مولا علی رضی اللہ عنہ کے ان تمام شہزادوں کے نام شیعوں کی اپنی کتاب جلاء العیون کے صفحہ ۴۱۴ پر اور بہتر تارے کے صفحہ ۹۸، ۱۰۷، ۱۱۱ پر موجود ہیں اور اہل سنت کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۷ وغیرہ پر بھی موجود ہیں مگر شیعہ حضرات ان شھداء کے نام تک لینا گوارا نہیں کرتے۔حضرت عبداللہ (علی اصغر) جو شیر خوار بچے تھے۔امام حسین رضی اللہ عنہ خیمے کے دروازے پر انہیں اپنی گود میں لیکر بیٹھے۔انہیں بوسے دینے، الوداع کہنے اور اپنے گھر والوں کو وصیت کرنے لگے۔بنی اسد کے ایک ظالم شخص نے جسکا نام ابنِ موقد النار تھا، انہیں تیر مار دیا جو انکی گردن مبارک میں آ کر لگا اور ننھے شہزادے نے جامِ شہادت نوش کرلیا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۴)۔

بالآخر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفیوں کے لشکر کا تنہا مقابلہ فرمایا۔اپنے کثیر التعداد بھائیوں، جگر کے ٹکڑوں اور ہمراہیوں کی شہادت کا منظر اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھ چکنے کے باوجود سیدنا امام حسین صبر واستقامت کا پیکر تھے۔ہمت وشجاعت کی وہ مثال قائم فرمائی کہ جس طرف بھی آپ کا گھوڑا بڑھتا تھا آپ دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے چلے جاتے تھے۔جب لاتعداد کوفیوں کو گھائل کر چکے تو کوفیوں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ یہ فردِ واحد ہم ہزاروں کا خون کر ڈالے مل کر حملہ کرنا چاہیے۔چنانچہ ان سب نے یک بارگی تیروں کی برسات کردی۔سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا اور آپ کا جسمِ اطہر سواری کی پشت سے زمین پر آ گیا۔سنان بن عمرو، یا شاید خولی بن یزید، یا شاید شمر بن ذی الجوشن نے آگے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو تن سے جدا کر دیا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۵)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے دس محرم سنہ ۶۱ ھ جمعہ کے دن شہادت پائی۔آپ کی عمر شریف چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن تھی۔

کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بہتر ساتھی شہید ہوئے جبکہ یزیدی فوج کے اٹھاسی افراد قتل ہوئے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۷)۔

میدانِ کربلا سے بچ کر آنے والوں میں صرف ایک نوجوان حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے جو طبیعت مبارک کی ناسازی کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ باقی سب اہلِ بیت اطہار خواتین تھیں۔ جن میں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نام نامی اسم گرامی سرِ فہرست ہے۔ آپ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔

واقعہ کربلا کے بعد

ابن زیاد نے آپ کے سر مبارک کو کوفہ کے بازار میں پھرایا۔ کوفہ کے شیعوں نے رو رو کر کہرام برپا کر دیا۔ شیعوں کی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوفہ والوں کو روتا ہوا دیکھ کر سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان ھولاء یبکون علینا فمن قتلنا غیرھم یعنی یہ سب خود ہی ہمارے قاتل ہیں اور خود ہی ہم پر رو رہے ہیں (احتجاج طبرسی جلد ۲ صفحہ ۲۹)۔

حضرت سیدہ طاہرہ زینب صلوٰۃ اللہ علیٰ جدہا وعلیہا نے فرمایا کہ تم لوگ میرے بھائی کو روتے ہو؟ ایسا ہی سہی۔ روتے رہو۔ تمہیں روتے رہنے کی کھلی چھٹی ہے۔ کثرت سے رونا اور کم ہنسنا۔ یقیناً تم رو کر اپنا کالا پن چھپا رہے ہو۔ جب کہ یہ بے عزتی تمہارا مقدر بن چکی ہے۔ تم آخری نبی کے لختِ جگر کے قتل کا داغ آنسوؤں سے کیسے دھو سکتے ہو جو رسالت کا خزانہ ہے اور اہلِ جنت کے جوانوں کا سردار ہے (احتجاج طبرسی جلد ۲ صفحہ ۳۰)۔ اسی طرح شیعہ کی کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ کوفہ کے لوگ شیعہ تھے (مجالس المومنین جلد ۱ صفحہ ۵۶)۔

اس کے بعد ابن زیاد نے آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اسیرانِ اہل بیت کے ساتھ شمر کی نگرانی میں یزید کے پاس شام بھیج دیا۔ یزید نے جب سر مبارک کو دیکھا تو بہت رویا اور اپنے منہ پر طمانچے مارے (شیعوں کی اپنی معتبر کتاب جلاء العیون صفحہ ۴۴۵)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر یزید رویا اور آپ کے قاتلوں پر لعنت بھیجی (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۹)۔

یزید نے اہل بیت اطہار کی مقدس خواتین رضی اللہ عنھن کو اپنے گھر دار الخلافہ میں بھیجا۔ یزید کے گھر کی خواتین نے ان کا استقبال کیا اور یزید کے گھر والوں نے تین دن تک رونے دھونے اور نوحہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۲)۔

ان تمام بیانات سے معلوم ہوا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی شیعہ تھے اور ماتم کی ابتداء کرنے والے بھی شیعہ تھے اور ان ماتم کرنے والوں میں یزید اور اس کا خاندان بھی شامل تھا۔

اب اگر امام حسین رضی اللہ عنہ کے غم میں رونے یا ماتم کرنے سے بخشش ہو جاتی ہے تو پھر بخشش کا سرٹیفکیٹ کوفیوں کو بھی مل جائے گا اور یزید کو بھی مل جائے گا۔

یزید نے آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کو مدینہ شریف میں اپنے نائب عمرو بن سعید کے پاس بھیجا اور اس نے سر مبارک کو کفن دے کر جنت البقیع میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دیا (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۷۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۱۱)۔ گویا دھڑ مبارک کربلا میں اور سر مبارک مدینہ منورہ میں دفن ہے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ شریف کے لوگوں نے یزید کے خلاف بغاوت کر دی۔ مدینہ شریف کے لوگوں نے کہا کہ ہم نے یزید کی اطاعت کو اس طرح اتار کر پھینک دیا ہے جس طرح یہ جوتا۔ یہاں تک کہ ایک جگہ پر جوتوں کا ڈھیر لگ گیا۔ یزید کی فوج نے بے حیائی کی انتہا کر دی۔ امام زہری رحمت اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یزید کی فوج نے سات سو صحابہ کرام کو شہید کر دیا جن میں مہاجرین اور انصار شامل تھے اور ان کے علاوہ دس ہزار موالی، آزاد اور غلام تابعین شہید کر دیے جنہیں میں نہیں پہچانتا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۹)۔

تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کو حرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ واقعہ کربلا کے واقعہ سے بھی بڑھ کر ظالمانہ ہے۔ اور یہ واقعہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی عظمت اور اہل بیت سے ان کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے اسی لیے شیعہ حضرات کربلا کے بعد کے واقعات کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

ماتم کی ابتداء

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ میری شہادت کے بعد ماتم نہ کیا جائے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۵)۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ماتم کی ابتداء یزید اور اس کے اہل خانہ کی طرف سے اسی وقت کر دی گئی تھی، لیکن بعد میں ماتم کو باقاعدہ مذہبی عبادت کے طور پر ایک شیعہ حکمران معز الدولہ نے بغداد میں سن ۳۵۲ھ میں رائج کیا اور دس محرم کو بازار بند کر کے ماتم کرنے اور منہ پر طمانچے مارنے کا حکم دیا۔ اور شیعہ کی خواتین کو چہرے پر کالک ملنے، سینہ کوبی اور نوحہ کرنے کا حکم دیا۔ اہل سنت ان لوگوں کو منع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اس لیے کہ حکمران شیعہ تھا (شیعوں کی کتاب منتہی الامال جلد ا صفحہ ۴۵۲، تتمۃ المنتہیٰ صفحہ ۳۹۱ اور اہل سنت کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۰)۔

صرف رونا جائز ہے یا نہیں؟

بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ماتم کرنا ہی منع ہے۔ انکے خیال میں رونے دھونے کی حد تک غمِ حسین منانا جائز بلکہ کارِ ثواب اور بخشش کا ذریعہ ہے۔ اسکا جواب اچھی طرح سمجھ لیجیے۔

کسی پیارے کی وفات پر وقتی طور پر رونا آ جانا محبت اور رحم کے جذبے کا نتیجہ ہے اور یہ بالکل درست اور جائز ہے۔ یہی وہ رونا ہے جس کی احادیث میں صاف اجازت موجود ہے خواہ فوت ہونے والا کوئی بھی ہو۔

لیکن ہر سال کے بعد رونے رلانے بیٹھ جانا ایک عجیب حرکت ہے۔ یہ کام نہ اپنوں کے حق میں جائز ہے اور نہ دوسروں کے حق میں۔ اس دنیا میں ہر کسی کے بہن بھائی، ماں باپ، اولاد اور رشتہ دار فوت ہوتے رہتے ہیں، مرشد اور استاد فوت ہوتے رہتے ہیں، ان سب کے لیے ایصالِ ثواب کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہتا ہے مگر سال کے سال رونے کا دھندا نہیں کیا جاتا۔

واقعہ حرہ میں مدینہ منورہ میں سات سو صحابہ کرام اور دس ہزار تابعین علیہم الرضوان کا قتلِ عام ہوا۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رمضان شریف میں بھوکے پیاسے شہید کر دیا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو چالیس دن تک ان کے گھر میں محصور کر کے اور ان کا پانی بند کر کے پیاس کی حالت میں شہید کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے چھرا مار کر شہید کر دیا گیا۔ ظلم کی یہ داستانیں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے موقع پر ہم سال کے سال نہ ماتم کرتے ہیں اور نہ روتے ہیں۔

سب کچھ چھوڑیے۔ احادیث میں آتا ہے کہ دنیا کا سب سے تاریک دن وہ تھا جس دن حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اگر ہر سال غم منانا اور رونا رلانا جائز ہوتا تو اللہ کی عظمت کی قسم بارہ ربیع الاول کو ہر سال اس دنیا میں کہرام برپا ہو جایا کرتا۔ اب ہم ہر سال میلادِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی تو ضرور مناتے ہیں مگر عین اسی دن حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف بھی ہوا تھا ہم اس کی وجہ سے نہ ماتم کرتے ہیں اور نہ ہی صرف روتے ہیں۔

اہلِ سنت پر امام حسین رضی اللہ عنہ سے عدمِ محبت کا الزام لگانے والے غور کریں کہ اہلِ سنت کی مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کو تو کوئی مائی کا لال چیلنج نہیں کر سکتا۔ آخر حضور کے وصال کے موقع پر اہلِ سنت کیوں نہیں روتے؟ یہاں سے بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ ہر سال رونے لگ جانا واقعی ایک نامعقول اور غیر شرعی حرکت ہے اور جو لوگ سنی کہلانے کے باوجود ہر سال یہ دھندا کرتے ہیں

انہیں روافض کا ٹیکہ لگ چکا ہے۔

اللہ کے پیاروں کا طریقہ تو یہ ہے کہ پیاروں کی عین وفات کے دن بھی صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں اور آنسوؤں پر بھی کنٹرول رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ ہاں البتہ بے اختیار آنسو نکل آنا ایک الگ بات ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ محبوب کریم ﷺ کو غسل دے رہے تھے اور فرما رہے تھے: یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپکی وفات سے ہم نبوت، غیب کی باتوں اور آسمان کی خبروں سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس مصیبت کے سامنے دوسری تمام مشکلات آسان نظر آ رہی ہیں اور ہر شخص اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ اگر آپ نے ہمیں صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور بے تابی سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم آپ پر رو رو کر اپنی آنکھوں کا سارا پانی ختم کر دیتے۔ آپ سے جدائی کا درد اور اندوہ ہمیشہ ہمارے سینے میں رہے گا۔ آپکے دکھ کے سامنے کسی دوسرے دکھ کی کوئی اوقات نہیں۔ کیا کریں، فوت ہونے والوں کو واپس نہیں بلایا جا سکتا اور موت کو واپس نہیں بھیجا جا سکتا۔ میرے ماں باپ فدا ہوں، اپنے رب کے پاس جا کر ہمیں یاد رکھنا اور خود بھی ہم پر نظر رکھنا (نہج البلاغہ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ ایران /قم)۔

اس خطبے کو بار بار پڑھیے۔ یہ خطبہ ہم نے مکمل نقل کر دیا ہے۔ اس کے اول یا آخر سے کچھ نہیں چھوڑا۔ اس خطبے سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے محبوب کی عین وفات کے موقع پر بھی آنسوؤں پر کنٹرول رکھا ہے۔ چہ جائیکہ ہر سال کے بعد دوبارہ رونے دھونے کا کام شروع کر دیا جائے۔

حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: تُحفَةُ المُؤمِنِ المَوتُ یعنی موت مومن کے لیے تحفہ ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۰)۔ آپ خود سوچیے کہ جب سادہ سی موت مومن کیلئے تحفہ ہے تو پھر شہادت کی موت کتنا بڑا تحفہ اور کتنا بڑا اعزاز ہو گی اور شہید ہونے والے اس پر کس قدر مسرور اور مطمئن ہوں گے۔

محبوب کریم ﷺ فرماتے ہیں: وَالَّذِی نَفسِی بِیَدِہٖ لَوَدِدتُ اَن اُقتَلَ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ، ثُمَّ اُحیَا ثُمَّ اُقتَلَ، ثُمَّ اُحیَا ثُمَّ اُقتَلَ، ثُمَّ اُحیَا ثُمَّ اُقتَلَ یعنی اللہ کی قسم میری یہ دلی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کر دیا جاؤں (مسلم، بخاری، المستند صفحہ ۲۳۵)۔ یہ ہے اس مقدس ہستی کا فرمان جس نے اپنے ہاتھوں سے گلستان زہرا کی آب یاری کی اور اہل بیت کی تربیت پر

زورِنبوت سرف کیا۔

خاندان نبوت کوشہادت کے ان فضائل کا دوسروں سے زیادہ علم تھا۔ پھرانہوں نے اپنی شہادت یا اپنے پیاروں کی شہادت پر کیوں نہ فخر کیا ہوگا اور انہوں نے کیوں کر ماتم کیا ہوگا اور کیوں کر ہر سال رونے کی تعلیم دی ہوگی؟

اہل سنت کا طریقہ

اہل سنت و جماعت کے نزدیک جس طرح تمام صحابہ، اہل بیت اور دیگر اولیاء کرام کی سیرت اور احوال کے لیے جلسے منعقد کرنا اور عرس منانا جائز بلکہ مستحب اور ثواب کا کام ہے اسی طرح سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور شہداءِ کربلا کی یاد میں محافل کا انعقاد بھی نہایت پسندیدہ ہے۔

تذکرۃ الصالحین کفارۃ للسیئات اللہ کے پیاروں کی یاد گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس دوران اگر کسی کو اتفاقیہ رونا آ جائے تو ایسے رونے میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن تکلف کے ساتھ جان بوجھ کر رونے رلانے کی کوشش کرنا اور زبردستی رلانے والے قصے گھڑ گھڑ کر بیان کرنا اور اس رونے کو کارِثواب سمجھتے ہوئے رونے دھونے کی مجالس یا مجالس عزا قائم کرنا اور پھر ہر سال کے بعد رونے بیٹھ جانا اسلام میں بے صبری اور خدا سے دوری کو فروغ دینے کے مترادف ہے۔ ایسی حرکتوں سے جہاد سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے۔ یاد رکھیے اس طرح رونے سے اگر کسی کی بخشش ہو جاتی ہو تو ان رونے والوں میں یزید بھی شامل تھا۔ اگر یزید آنسو بہانے اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے کے باوجود بد بخت ہے تو یقین رکھیے کہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ و اہل بیت علیہم الرضوان کی غلامی کے بغیر غم حسین کا ڈھونگ کچھ کام نہ دے گا۔ اسلام ایک سنجیدہ دین ہے اور ایسی چھچھوری اور غیر ذمہ دارانہ تعلیمات سے پاک ہے۔

حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آج کل واقعہ شہادت بیان کرتے وقت اکثر بے سروپا اور جھوٹی روایات کو بیان کیا جاتا ہے۔ ایسی مجالس میں جانا مطلقاً حرام اور ناجائز ہے۔ اور اگر واقعہ شہادت بیان کرنے کا مقصد غم پروری اور زبردستی کا رونا دھونا ہو تو یہ نیت بھی شرعاً بُری ہے۔ غم اگر ہو بھی تو اسے دل سے دور کرنے کا حکم ہے۔ نہ یہ کہ غم سرے سے ہو ہی نہیں اور محرم کے دنوں میں اپنے اوپر زبردستی غم لاگو کر کے تکلف سے کام لے کر رونے کی کوشش کی جائے یا رونے دھونے کو عبادت سمجھا جائے۔ یہ سب روافض کی

بدترین بدعات ہیں۔ اہلِ سنت پر لازم ہے کہ ان چیزوں سے بچ کے رہیں۔ اللہ کی قسم اگر اس رونے دھونے میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پُرنور سیدِ عالم ﷺ کی وفات شریف پر غم کرنا اور رونا ہم پر سب سے زیادہ لازم ہوتا۔ دیکھو! سرکارِ دو عالم ﷺ کی ولادت اور وفات ایک ہی مہینے میں ہوئی لیکن علماء کرام نے ولادت شریفہ پر خوشی منانا پسند فرمایا ہے اور وفات شریف پر غم منانا جائز نہیں سمجھا (رسالہ تعزیہ داری صفحہ ۵ از فاضلِ بریلوی رحمت اللہ علیہ بالتسہیل)۔

خطیبوں سے گذارش

ہمارے بعض خطیب حضرات نے بھی رونے رلانے کا دھندا شروع کر رکھا ہے اور اپنی تقریر میں رنگ بھرنے کے لیے شیعہ کی روایات کو بڑے جوش وخروش کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان کی طرف بے شمار من گھڑت باتوں اور قصے کہانیوں کو منسوب کر کے بیان کیا جا تا رہا ہے۔

بے شمار اقوال گھڑ کے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیے گئے۔ چنانچہ امام محمد بن سیرین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان اکثر مایروٰی عن علی الکذب یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جانے والی اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۲۶)۔ اسی طرح تقیہ کی آڑ میں تمام آئمہ اہل بیت کی طرف جھوٹ منسوب کیے گئے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمارے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑنے پر عاشق ہو چکے ہیں۔ انہوں نے یوں سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنا ان پر فرض کر رکھا ہے اور اللہ نے ان کو یہی دھندا سونپا ہوا ہے۔ میں ان میں سے کسی شخص کو اندر بیٹھ کر ایک حدیث بتاتا ہوں تو وہ باہر جا کر اسکو دوسرے معانی میں ڈھال لیتا ہے (شیعہ کی کتاب رجال کشی صفحہ ۱۲۴)۔

جھوٹ کے اسی سلسلے کی کڑی کربلا کے حالات و واقعات ہیں جنہیں لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے وہ خود موقع پر موجود تھے۔ حالانکہ کربلا سے بچ کر آنے والے سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی شخص کربلا کے صحیح حالات بیان نہیں کر سکتا۔ اہلِ بیت کی خواتین پردہ میں تھیں۔ امام زین العابدین کی طبیعت مبارک ناساز تھی۔ باقی سب حضرات شہید ہو گئے۔ اب اس واقعہ کو کسی حد تک یا تو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان فرما سکتے ہیں یا پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل اور دشمن بیان کر سکتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے بعض اہل سنت مصنفین نے بھی اپنی کتابوں میں ہر کچی پکی روایت کو لکھ

ڈالا ہے۔ان حضرات سے درخواست ہے کہ تحقیق سے کام لیجیے۔اس موضوع پر نہایت معتبر اور مستند اقوال پر اعتماد فرمایئے اور ماتمی انداز سے گریز کیجیے۔خصوصاً خاکِ کربلا اور اوراقِ غم جیسی کتابوں سے محققین کو دور رہنا چاہیے۔

بعض خطیب کہتے پھرتے ہیں کہ چھپن سال کی عمر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک پر ایک بال بھی سفید نہیں تھا۔مگر جیسے ہی سیدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ کے سینے سے تیر کھینچا تو سارے کے سارے بال سفید ہو گئے۔خطیبوں کی یہ ماتمی تحقیق دین سے بالکل دور اور بیگانہ ہے۔صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک جب کاٹ کر ابنِ زیاد کے پاس لایا گیا تو آپ کے بالوں پر سیاہ خضاب لگا ہوا تھا و کان مخضوبا بالوسمة (بخاری جلد ا صفحہ ۵۳۰)۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بال مبارک پہلے ہی سفید تھے۔

بعض کہتے پھرتے ہیں کہ مرج البحرین سے مراد مولا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں اور اللؤلؤ و المرجان سے مراد حسنین کریمین علیما الرضوان ہیں۔حالانکہ مرج البحرین سے آگے بینھما برزخ لایبغیان کے الفاظ بھی موجود ہیں۔علامہ ابنِ تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر شیعوں نے گھڑی ہے (مقدمہ تفسیر ابنِ تیمیہ صفحہ ۲۹)۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلانہ تاویل ہے جو شیعہ نے کی ہے (الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)۔ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مرج البحرین اور اللؤلؤ و المرجان کی یہ تاویل شیعہ جیسے جاہل اور احمق لوگوں کا کام ہے فانه من تاویل الجهلة و الحمقاء کالروافض (مرقاۃ جلد ا صفحہ ۲۹۲)۔

عوام اہل سنت سے درخواست ہے کہ دسویں محرم کے دن شہداءِ کربلا کے لیے قرآن خوانی کیجیے۔درود شریف،استغفار اور کلمہ طیبہ پڑھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کیجیے۔شہداء کی طرف سے کھانے پینے کی چیزیں خیرات کیجیے۔امام پاک رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر سننے کے لیے اہل سنت کی محافل میں جایا کیجیے۔اس مقصد کے لیے شیعوں کی مجالسِ عزا میں جانا ایمان کی تباہی ہے۔حسین ہمارے ہیں اور ہم حسین کے ہیں۔کسی دوسرے کو محبتِ حسین کا ٹھیکیدار مت سمجھیے۔

علیٰ جدہ و ابیہ و اخیہ و علیہ الصلوٰۃ و السلام

واقعہ کربلا سے ملنے والے اسباق

1۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے خلفاء راشدین علیہم الرضوان کی مخالفت نہ کی اور یزید کی مخالفت کی۔اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اہل حق کیساتھ تعاون کرنا چاہیے اور اہل باطل کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہیے۔

2۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ لیا اور راستے میں اپنے ساتھیوں سے بھی مشورہ لیا۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ اہم کام سرانجام دینے کے لیے مشورہ کر لینا چاہیے۔

3۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کا مقابلہ کیا اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے رخصت پر عمل فرمایا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جتنا کسی کا رتبہ بڑا ہوا تنی ہی اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

4۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا حرمین شریفین میں جنگ کرنے کی بجائے کوفہ چلے جانا ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ حرمین شریفین کی بے ادبی سخت منع ہے۔

5۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مختلف تجویزیں پیش فرما کر جنگ کو ٹالنے کی کوشش فرمائی۔ اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ سے گریز کرنا چاہیے اور پہل ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔

6۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں نہایت صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا۔ اپنے پیاروں کو شہید ہوتا دیکھ کر بھی ماتم اور نوحہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اہل بیت کی خواتین علیہم الرضوان نے بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے آنے والے امتحانوں پر صبر کرنا چاہیے اور کسی قسم کا واویلا یا ماتم نہیں کرنا چاہیے۔ جو کامل ہوتے ہیں وہ رضا پر راضی رہتے ہیں۔

7۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی رات کو ذکر و عبادت میں مصروف رہے اور عین میدانِ جنگ میں بھی نماز کو یاد رکھا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مشکل وقت میں اللہ کریم جلَّ مجدہٗ کو کثرت سے یاد کرنا چاہیے اور ہر حال میں نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔

اللھم صل علی سیدنا و مولینا محمد و علی آلہ و عترتہ

و صحبہ و ازواجہ و احبائہ و سلم